تحقیق و تنقید

اردو زبان میں تاریخ نگاری کی ابتداء

(رستم علی بجنوری کی تالیف قصہ و احوال روہیلہ کا تجزیہ)

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں فارسی زبان میں تاریخ نگاری کی روایت کا آغاز اور فروغ مسلم حکمرانوں کی علم دوستی کا رہینِ منت تھا۔ انھیں علم تاریخ کی اہمیت کا پورا احساس تھا۔ تیرہویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی تک مختلف بادشاہوں کے عہد میں جو سیاسی اور ثقافتی اہمیت کی تبدیلیاں واقع ہوئیں ان کو اس وقت تاریخ پر لکھی جانے والی کتابوں میں بیان کیا گیا۔ علاوہ ازیں اچھی یا بُری تبدیلیوں کے جو اسباب تھے ان پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ مثلاً ان کتابوں میں نہیں صرف بادشاہوں کی تخت نشینی یا اُن کی وفات کی تاریخیں، ان کی فتوحات، اُن کے عہد کے عظیم کارنامے، اُن کی علم و ہنر کی قدر دانی یا اُن کی رفاہِ عام کے کاموں میں دلچسپی ہی کا ذکر نہیں ملتا ہے بلکہ تاریخی اہمیت کے واقعات کے پیچھے جو علل و اسباب تھے ان کا علم بھی انھوں نے بہم پہنچایا ہے۔

ہندوستان میں فارسی زبان میں تاریخ نگاری کا یہ سنہرا دور اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں خوافی خاں کی تالیف منتخب اللباب پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ہندوستان میں تاریخ نگاری مغلیہ سلطنت کے سیاسی زوال سے بُری طرح متاثر ہوئی۔ مغل بادشاہ محمد شاہ (م۔ ۱۷۴۸ء) اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں جو تاریخ پر کتابیں لکھی گئیں اُن میں بادشاہوں کی بے بسی، دربار سے منسلک امراء کی باہمی رقابت اور گروہ بندی ایک گروہ کی دوسرے گروہ کے خلاف سازشیں، باغیوں کے خلاف فوجی مہموں کی ناکامی کی داستان اور آشوبِ زمانہ کی شکایت ملتی ہے۔ دوسرے اس زوال پذیر عہد کے فارسی مورخین واقعات کے بیان کرنے میں غیر جانبدار بھی نہیں رہ سکے۔ وہ امراء کے

کسی نہ کسی گروہ سے وابستہ تھے لہٰذا انھوں نے اپنے مربّی یا اس کے حامیوں کی ناجائز مدح سرائی بھی کی ہے ۔ ان کی تالیفات کے مطالعہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ مورخ کے فن (Historian's craft) سے واقف نہیں رہے تھے. تاریخی عوامل جن کے نتیجہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اُن کا شعور نہیں رہا تھا ۔

اس دور کے فارسی میں لکھنے والوں کے برخلاف رستم علی بجنوری کی اردو تالیف " قصہ واحوال روہیلہ " میں تاریخی اہمیت کے واقعات غیر جانب داری کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس میں بھی اُن حالات کا تذکرہ نہیں ملتا جن سے ہندوستان میں نووارد روہیلوں کو سیاسی افق پر ابھرنے اور اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع ملا ۔ وہ کیا اسباب تھے کہ روہیلکھنڈ کے راجپوت زمیندار جو صدیوں سے مغل حکومت کے مطیع اور فرماں بردار تھے باغی ہو کر برسرِ پیکار ہو گئے اور مغلیہ سلطنت کس طرح زوال کا شکار ہو گئی ۔مولف نے اپنے ہم عصر فارسی مورخین کی طرح اِن تفاصیل کے بہم پہنچانے سے گریز کیا ہے ۔تاہم یہ ماننا پڑتا ہے کہ " قصہ واحوال روہیلہ " اردو میں تاریخ نگاری کی تاریخ میں پہلی اہم تالیف ہونے کی وجہ سے علمی اہمیت کی حامل ہے اور اس وجہ سے بھی بہت اہم ہے کہ یہ خطۂ روہیلکھنڈ کی کسی زبان میں لکھی جانے والی پہلی مقامی (Local History) تاریخ بھی ہے ۔علاوہ ازیں اردو نثر میں بھی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے قایم ہونے سے پہلے ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی تھی ۔نثر سلیس اور شستہ ہے ۔ اکثر جملے چھوٹے چھوٹے لیکن موثر اور پُر معنی ہیں ۔ کتاب کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ روہیلکھنڈ میں پڑھے لکھے گھرانوں کے افراد کس طرح کی اردو بولتے تھے ۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی افکار پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔عوام الناس کی طرح امراء اور روساء بھی صوفیا اور درویشوں کی کرامت پر عام طور پر اعتقاد رکھتے تھے ۔ ذیل کی سطور میں کتاب کے مولف کا مختصر حال اور کتاب کا تاریخ نگاری کے نقطہ نظر سے تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے ۔ نمونہ کے طور پر کہیں کہیں کتاب سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں ۔ ان میں الفاظ کا املا بغیر تبدیلی کے پیش کیا گیا ہے ۔

اگرچہ پاکستانی اسکالر قاضی عارف حسین نے نادر مخطوطہ (جو کہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانہ کراچی کی ملکیت ہے) کے عکس کے ساتھ جو مختصر مقدمہ شائع کیا ہے اس میں رستم علی بجنوری کو سید بارہ سے متعلق بتایا ہے اور اُن کو سید منیف علی شوکت بجنوری کا والد بھی سمجھا ہے۔ لیکن کسی مستند اور قابل اعتبار تذکرہ سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ مؤلف نے اختصار کے ساتھ اپنے متعلق لکھا ہے: "بندہ رستم علی رہنے والا بجنور، سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد کا۔ بیچ دار اگر سرکار مذکور کی کرچھاؤنی صاحبان عالی شان انگریز بہادر کی ہے۔ آیا ملازمت جناب فیض کا یاب قدر کا جان نی والا، ہنر کا پہچان نی والا، صاحب والا مناقب جان ہارس فورڈ بالمشہور اسیٹ صاحب بہادر ہمیشہ رہے اقبال اوسکا، حاصل کی، نظر بر داخت کی فرمائی۔ بعد کئی دنوں کی ارشاد فرمایا: علی محمد خان وغیرہ روہیلہ ملک کیتھر میں شاہجہاں پور سے تمام تلہٹی پہاڑ کی سی ہر دوار کناری۔ دریا وگنگ تئیں کس طرح قابض متصرف ہوئی اگر تو کچھ جانتا ہو زبان ہندی اردو میں بیان کر تو کہ (تاکہ) نو آموز کاروں زبان ہندی کتئیں پڑھنی اس کی سی فائدہ حاصل ہو۔ بندہ اگرچہ خوب ہوش جمع کرنے اسی احوال کا نہ رکھی تھا فاما حکم صاحب والا مناقب سے عذر مناسب نہ جانا ایں جو کچھ کہ سنتا تھا اور جانتا تھا لکھتا ہے"۔[۱]

اپنے مختصر ذکر کے بعد مؤلف نے روہیلہ حکومت کے بانی داؤد خان کا تذکرہ شروع کیا ہے۔ برعکس معاصر فارسی تاریخوں کے رستم علی کے تذکرہ میں داؤد خاں کو ایک لٹیرے کے بجائے ایک بلند حوصلہ اور انسانی خوبیوں کا حامل شخص کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مؤلفِ روہیلوں کے زیر اقتدار علاقہ کا رہنے والا تھا لہٰذا اُس نے ایک مقامی اور معاصر تاریخ نگار کی حیثیت سے وہی واقعات قلم بند کیے ہیں جن کو اُس نے اپنے باپ اور دوسرے بزرگوں سے سنا تھا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے زمانہ میں روہیلکھنڈ کو اس کے قدیم نام کیتھر ہی سے موسوم کیا جاتا تھا۔

---

[۱] رستم علی بجنوری، قصہ و احوال روہیلہ۔ مرتبہ قاضی عارف حسین، مجلس تصنیف و تالیف پاکستان، واہ کینٹ، سنہ ۱۹۸۹ء، ص ص۔ ۶۔ ۷۔

روہیلہ اقتدار کے خاتمہ کے بعد غالباً انگریزوں نے اس کو روہیلکھنڈ کہنا شروع کیا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں مغل دور کی اصطلاحات کے استعمال اور روہیلوں سے متعلق صحیح واقعات نے قصہ واحوال روہیلہ کو موجودہ اترپردیش اور مغل دربار کا عموماً اور روہیلکھنڈ کا خصوصاً ایک اہم تاریخی ماخذ بنا دیا ہے۔ اس سے بعد میں روہیلوں پر لکھی گئی کتابیں گلستان رحمت اور گل رحمت میں درج واقعات کی تصحیح بھی ہوتی ہے۔

رستم علی کے مطابق داؤد خاں پٹھان نہیں تھا بلکہ وہ ملک روہ (پٹھانوں کا آبائی وطن جو کہ پاکستان کا صوبہ سرحد ہے) کے ایک صوفی اور قبائلی سردار حسن خان بھڑیچ کا غلام تھا۔ اس کے آقا نے اس کا داؤد خاں نام رکھا اور اس کی پرورش کی۔ جوان ہونے پر داؤد خان فرار ہو کر پشاور چلا گیا۔ پشاور میں وہ ناصر جنگ کا ملازم ہو گیا۔ قسمت نے یاوری کی۔ کچھ عرصہ بعد اس کے پاس دو ہزار روپیہ کی رقم اکٹھا ہو گئی۔ اس نے ملازمت چھوڑ کر گھوڑے خریدے اور دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ اُس نے شاہجہان آباد میں دو ماہ قیام کیا۔ وہاں سے گنگا کے پار شاہ آباد کے قریب کے زمین دار راجہ مدھکر (مدار شاہ) کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ اس کی بہادری کی وجہ سے راجہ مدھکر اس کا قدر دان ہو گیا۔ جلد ہی داؤد خاں نے تین چار سو سوار اور پیادوں کو ملازم کرلیا۔ اسی زمانہ میں اُس نے شاہجہان آباد سے تحائف منگا نے اور الموڑہ کے راجہ دیپ سنگھ کو بھیجے۔ راجہ سے داؤد خان کے اچھے تعلقات قائم ہو گئے۔ راجہ مدھکر کے مرنے کے بعد داؤد خان دیپ سنگھ کا ملازم ہو گیا۔ راجہ نے کاشی پور اور دامن پہاڑ کے علاقہ کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ اِس علاقہ کی سالانہ جمع (آمدنی) تیرہ لاکھ روپیہ تھی۔ داؤد خان کی اپنی آمدنی میں اس قدر اضافہ ہوا کہ اس نے دو تین ہزار سوار پیادے ملازم رکھ لیے جن کی مدد سے اُس نے سرکش زمین داروں اور لٹیروں سے اپنے علاقہ کا تحفظ کیا۔ جب کسان محفوظ ہو گئے تو وہ وقت پر لگان ادا کرنے لگے۔ علاقہ کے سرکش زمین داروں میں بنکولی کا راجہ[1] (کھیم کرن) لوٹ مار سے باز نہیں آیا۔ وہ داؤد خان کے علاقہ پر بھی چھاپہ مار کر جانور لے جاتا تھا۔ لہٰذا داؤد خان نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اپنی مہم کو بآسانی سرانجام دینے کی غرض سے

---

[1] بنکولی کا علاقہ پرگنہ جہاں آباد متعلق چکلہ بریلی سرکار بداؤں میں شامل تھا۔

اس نے ایک جاسوس بنکولی بھیجا تاکہ وہ موقع کا جائزہ لے کر اطلاع دے کہ کس وقت راجہ بنکولی پر حملہ کرنا مناسب ہوگا۔ جاسوس وہاں جاکر فقیروں کے لباس میں رہنے لگا۔ جب ہولی تیوہار کو منانے کے دن شروع ہوئے تو جاسوس نے اطلاع دی کہ اکثر لوگ رنگ کھیلتے ہیں اور شراب کے نشہ میں بدحواس رہتے ہیں اگر عین ہولی کے دن حملہ کیا جائے گا تو فتح بآسانی ہوگی۔ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ واقعہ رستم علی کے مطابق ۱۷۲۹ء میں واقع ہوا جبکہ بعد کے مورخین اس کی تاریخ ۱۷۲۰ء بتاتے ہیں۔

بنکولی کی فتح کے بعد جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اس میں گرفتار کیے ہوئے تئیس افراد بھی تھے۔ ان قیدیوں میں "ایک لڑکا عمر برس دس گیارہ کا، نہایت خوبصورت، رنگ سرخ سپید میٹھی زبان، پیاری پیاری باتیں قوم جاٹ کا پریم سنگھ نانو بھی قید میں آیا۔ داؤدخان نے اوسکو دیکھا، نزدیک بولایا، باتیں سنی، بی اختیار جی کو بھایا۔ کمال شفقت سے فرزند اس کو کہا۔ علی محمد خان نانو رکھا۔ سنّت ختنہ کے بموجب مذہب محمد صلعم کی فراغت پائی۔ بعد فرصت ختنہ کی اوس لڑکی کو معلم باعمل کو سپرد کیا۔ توکہ (تاکہ) نماز پنجگانہ، تلاوت قرآن شریف کی اور مسائل ضروریہ مذہب مسلمانوں کی سی خوب واقف ہو۔ جو پٹھان کہ اوس لڑکی کو لایا تھا بائیس روپیہ نقد، ایک دوشالہ اوسکو بخشا۔"[۱]

اچھی تربیت کے نتیجہ میں، علی محمد خان تین سال کے عرصہ میں فنون سپہ گری، تیراندازی بندوق چلانے اور گھوڑ سواری میں ماہر ہوگیا۔ علاوہ ازیں اُس نے عربی اور فارسی میں بھی اچھی استعداد پیدا کرلی۔ اگرچہ داؤدخان کا حقیقی بیٹا محمد خان تھا لیکن داؤدخان نے علی محمد خان کی ذہانت اور لیاقت سے متاثر ہوکر اس کو سنہ پندرہ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۷۳۲ء میں پٹھان سرداروں کی موجودگی میں اپنا ولی عہد بنایا۔ اس کو تمام ہاتھی، گھوڑے اور نقدی کا مالک بھی بنادیا۔ پھر مولف نے علی محمد خان کی تعریف میں لکھا ہے کہ وہ دیندار، درویش اور فقراء کا ہمدرد اور رعایا پرور تھا۔ اس کے حسن سلوک سے روہیلہ سردار، سپاہی اور نوکر بھی اس کے دلدادہ بن گئے تھے۔ علاقہ کے زمین دار اور کسان اس کے وفادار تھے۔[۲]

۱؎ قصہ واحوال روہیلہ، ص ص۔ ۱۳۔ ۱۵۔

۲؎ ایضاً۔ ص۔ ۱۶

مولف نے داؤد خان کے راجہ کمایوں کے ہاتھوں قتل کی وجہ اس کی طاقت میں اضافہ اور اس کی وفاداری پر شک بتائی ہے کہ جب راجہ کے جیوتشی نے راجہ سے کہا کہ داؤد خاں بہت طاقتور ہوگیا ہے اور علاقہ پر اس کا پورا تسلط ہے اگر وہ باغی ہوگیا تو اس کو دبانا مشکل ہوگا۔ لہٰذا اُس سے چھٹکارا جلد پایا جائے۔ راجہ نے داؤد خاں کو اپنے پاس بُلایا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس کو قید کرکے اذیتوں کے ساتھ مروا ڈالا۔[۱۱] داؤد خاں کے قتل کے بعد علی محمد خاں کاشی پور سے بھاگ کر مراد آباد آگیا۔ پہاڑیوں سے جنگ میں اس کے ساتھی منتشر ہوگئے تھے۔ نواب عظمت اللہ خان نے علی محمد خان کی ہمت افزائی کی اور اس کی ہر طرح مدد کی۔ اس کو یہ بھی اجازت دی کہ وہ اپنے پُرانے ساتھیوں کو جو اس کے پاس واپس آئیں ملازم رکھ لے۔ کچھ عرصہ کے بعد محمد خان بن داؤد خاں اور دوسرے روہیلہ مراد آباد آکر علی محمد کے ساتھ ہوگئے۔ دو سال بعد ۱۷۲۴ء میں نواب عظمت اللہ خان کے انتقال پر مغل بادشاہ محمد شاہ نے نواب معین الدین خاں بن نواب عظمت اللہ خاں کو باپ کی جگہ مراد آباد کا ناظم مقرر کیا۔ اپنے باپ کی طرح نئے ناظم نے بھی مراد آباد کے محلات کا بندوبست علی محمد خاں کے ہی ذمہ رکھا۔ اس زمانہ میں علی محمد خان نے بہت سے گاؤں رام پور اور شاہ آباد کے محلات میں خرید لیے اور دو ہزار سواروں کے ساتھ رام پور میں رہنے لگا۔

مولف نے مغل بادشاہ اور علی محمد خان کے مابین تعلقات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے تاہم اس بیان میں کیتھر میں تعینات مغل افسران کی باہمی رقابت جس کے نتیجہ میں تمام علاقہ بدنظمی اور طوائف الملوکی کا شکار تھا اس پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً چکلہ بریلی کے محلات جیسے منونہ عظیم مغل منصب دار امیر خان کی جاگیر میں تھے جبکہ مراد آباد کے محلات وزیر قمرالدین خان کی جاگیر میں تھے۔ دونوں منصب داروں میں رقابت تھی۔ دانش خان محلی امیر خان کی جاگیر کا بندوبست کرتا تھا۔ نواب معین الدین ناظم مراد آباد قمرالدین کی جاگیر کی بھی دیکھ بھال کرتا تھا۔ بریلی کے تابع آنولہ کا زمین دار جگ جیت سرکش تھا اور

---

[۱۱] فارسی ماخذ کے مطابق الموڑہ کے راجہ کے داؤد خان پر شک کی وجہ داؤد خان کے مراد آباد کے ناظم نواب عظمت اللہ خاں سے دوستانہ تعلقات تھے۔

دانش خان محلی کے اثر میں تھا اور علی محمد خان کے خلاف تھا۔ علی محمد خاں نے آنولہ پر حملہ کر دیا۔ دانش خان محلی جگ جیت کی مدد کے لیے منونہ سے آیا۔ جب فریقین میں خونریز جنگ ہوئی تو دانش خاں محلی مارا گیا۔ جگ جیت آنولہ بھاگ گیا اور اپنی گڈھی میں محصور ہو گیا۔ آنولہ پر بھی علی محمد خان کا قبضہ ہو گیا اور پھر اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہوا دس ہزار سواروں اور پیادوں کی فوج اکٹھی ہو گئی۔ اسی زمانہ میں روہ سے حافظ رحمت خان بن حسن خان (آقا داؤد خان) پاینده خان، بڈو خان، دوندے خان، سردار خان، ستار خان اور پرمول خان روہیلے علی محمد خان کے پاس آ گئے۔ علی محمد خان نے ہر ایک کو جائداد کے طور پر گاؤں دیئے تاکہ وہ فوجی بھرتی کر سکیں۔

آنولہ پر قبضہ کے بعد علی محمد خان نے داؤد خان کے قتل کا انتقام لینے کی غرض سے کمایوں کے راجہ سے انتقام لینے کا تہیہ کیا۔ اس نے کاشی پور سے پہاڑ کے دامن تک سارے علاقہ کو چھین لیا۔ اس کے بعد بریلی کے علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس سلسلے میں مغل دربار میں ایرانی گروہ کے سرغنہ امیر خان کا رقیب وزیر قمر الدین خان در پردہ علی محمد خان کی حمایت میں تھا کچھ عرصہ بعد جب نواب معین الدین خان کی موت کی خبر شاہجہان آباد پہنچی تو امیر خان نے بادشاہ سے اپنے حامی راجہ ہرنند کو مراد آباد کا ناظم بنوا دیا اور اس کو مراد آباد روہیلوں کو کچلنے کے حکم کے ساتھ روانہ کیا۔ ہرنند دہلی سے بیس ہزار سوار اور پیادوں پر مشتمل فوج کے ساتھ چلا۔ راستہ میں بہت سے زمین دار بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ اس نے چندوسی کے نزدیک پڑاؤ کیا۔ علی محمد خان بھی دس ہزار فوجیوں کے ہمراہ آنولہ سے آئے پہلے انھوں نے ہرنند کو مصالحت کے لیے لکھا۔ راجہ نے جواب دیا کہ اگر وہ تنہا حاضر ہو گا تو اس کی جان بخش دی جائے گی۔ صلح کی گفتگو ناکام رہی۔ روہیلوں کو جنگ کرنی پڑی۔ دس گیارہ دن فریقین میں جھڑپیں رہیں۔ پھر خونریز جنگ ہوئی جس میں بادشاہی فوج ہار گئی۔ ہرنند نے بھاگ کے جان بچانی چاہی لیکن وہ بھی قتل ہو گیا۔ اس فتح کے نتیجہ میں بریلی، مراد آباد، شاہ آباد، نرولی، منونہ وغیرہ محلات پر روہیلوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس علاقہ کی سالانہ جمع (آمدنی) پچاس لاکھ روپیہ تھی۔ لہٰذا فوج میں اضافہ کرنا آسان ہو گیا۔ جلد ہی پچاس ہزار سوار اور پیادہ اس کی ملازمت میں آ گئے۔

اب علی محمد خاں اپنی فوج کے دس ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ کمایوں کے پہاڑوں میں داخل ہوا۔ راستہ میں معمولی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ راجہ دیپ سنگھ گھبرا گیا۔ جب کہیں

کامیابی میسر نہ ہوئی تو وہ بھاگ کر الموڑہ چلا آیا۔ اس کے حکم سے تمام پہاڑی گاؤں خالی کر دیئے گئے تھے۔ لہٰذا علی محمد خان کو الموڑہ کا راستہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا۔ کئی دن تک راستہ کی تلاش میں پریشان رہا۔ ایک دن اُس نے ایک گوشہ میں ایک فقیر کو عبادت الٰہی میں منہمک پایا۔ علی محمد خاں دست بستہ اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جب بہت دیر تک فقیر نے اُن کی طرف توجہ نہیں کی تو مجبوراً انھوں نے فارسی میں التجا کی۔ جب فقیر نے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے تو علی محمد خاں نے یہ شعر پڑھا۔

جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست
اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت است

فقیر پر علی محمد خان کی التجا کا اثر ہوا۔ اُس نے فتح کی بشارت دی اور اس کی سمت بتا کر کہا کہ وہ کل روز جمعرات کو روانہ ہو۔ اس کے بعد مقبول عام روایت کی بنا پر راجہ کا خواب بیان کیا ہے کہ اسی رات کو راجہ نے خواب دیکھا کہ اذان کی آواز آ رہی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ وہ پریشانی میں جاگا۔ تب بھی اس نے یہ آواز سنی بہت ہراساں مشوش ہوا۔ اسی وقت زنانہ سے باہر نکلا۔ پنڈت نجومی کو بولایا۔ احوال خواب کا بیان کیا۔ نجومی نے سنتی اُس خواب کی سر اپنا کوٹا، چھاتی پیٹی اور کہا اس خواب کی یہ تعبیر ہے کہ اس ملک میں راج ترکوں کا شتاب ہوا چاہئے۔ بس بہتر ہے کہ آپ خود بخود اس مکان کو چھوڑ دیجئے۔ راجا نے سنتی اس تعبیر خواب کی بغیر دیکھے بغیر لڑی بی اختیار معہ قبائل بھاگا" الموڑہ خالی ہو گیا۔

دوسرے دن روہیلہ الموڑہ میں داخل ہوئے۔ اگرچہ شہر آدمیوں سے خالی تھا لیکن راجا کا محل تمام اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے اندر پینتیس ۳۵ لاکھ روپیہ نقد، کچھ سونے چاندی کے بت اور دوسری اشیا بھاری تعداد میں ہاتھ آئیں۔ فوجیوں نے شہر کو بھی لوٹا۔ ہر کسی نے مال غنیمت حاصل کیا۔ دو ماہ تک تاخت و تاراج کرنے کے بعد فوج نے اُمید سنگھ راجپوت کو الموڑہ میں تعینات کیا اور پھر آنولہ واپس آ گئی۔[1]

---

[1] رستم علی نے الموڑہ کے اور گڑھوال کے راجاؤں سے روہیلوں کی صلح اور عہدنامہ سے متعلق تفصیل چھوڑ دی ہے۔ گلستان رحمت کے مطابق۔ الموڑہ کو حافظ رحمت خاں کی سپہ سالاری میں فتح کیا گیا تھا۔ سات ماہ =

اسی سال ۱۷۳۸ء میں جب مغل بادشاہ نے مرادآباد میں نواب احمد خان کو نیا فوجدار مقرر کیا تو اس کو روہیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کرنے کا بھی حکم دیا۔ نواب احمد خاں شاہی فوج اور توپ خانہ کے ساتھ مرادآباد میں داخل ہوا ہی تھا کہ ہندوستان پر نادرشاہ کے حملے کے بادل چھا گئے۔ نادرشاہ کی پیش قدمی نے بادشاہ اور امراء کی توجہ روہیلوں کی طرف سے ہٹا کر ایرانیوں کے خلاف ملک کے دفاع کی کوششوں میں لگا دی۔ رستم علی نے نادرشاہ اور ہندوستانیوں کے درمیان جنگ کو بہت مختصر طریقہ پر بیان کیا ہے۔ اُس نے نادرشاہ کی دہلی میں آمد اور وہاں اس کے حکم سے قتل عام کا تذکرہ بالکل نہیں کیا بلکہ وہ لکھتا ہے کہ نادرشاہ صلح ہونے کے بعد میدان جنگ سے قندہار کی طرف لوٹ گیا[۱]

نادرشاہ سے مغلوں کی شکست کا فائدہ اٹھاتے ہوئے علی محمد خاں نے تمام کٹھیر پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ امیر خاں اور صفدر جنگ کے ورغلانے پر ۱۷۴۵ء میں بادشاہ محمد شاہ خود شاہی فوج کے ساتھ روہیلوں کے خلاف کٹھیر پہنچا۔ علی محمد خان آنولہ سے قلعہ بنگڑھ منتقل ہو گئے کیونکہ بنگڑھ کے چاروں طرف بانس کے گھنے جنگل تھے وہاں دفاع زیادہ آسانی سے ہوسکتا تھا۔ جب مغل فوج نے محاصرہ شروع کیا تو پٹھان سوسو اور دو دو سو کی تعداد میں شاہی فوج پر اچانک حملہ کرتے اور نقصان پہنچا کر واپس پلٹ جاتے۔ کئی ماہ تک وہ قزاقانہ طریقہ سے جنگ کرتے رہے۔ کیونکہ وزیر قمرالدین خان ایرانی امراء امیر خان اور صفدر جنگ کے خلاف تھا اور روہیلوں سے اچھے تعلقات بھی رکھتا تھا اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اگر وہ علی محمد خان کی جان بخشی اور اچھے سلوک کا وعدہ کریں تو وہ علی محمد خاں کو دربار میں حاضر کرنے کے لیے آمادہ کرلے گا۔ بادشاہ بھی جنگ کے طول پکڑنے سے گھبرا گیا تھا لہٰذا اس نے وزیر کی تجویز کو مان لیا جب وزیر کے کہنے پر علی محمد خان دربار میں حاضر ہوئے تو اُن کو وزیر کے سپرد کر کے بادشاہ نے واپسی

تک روہیلوں نے الموڑہ اور گڑھوال میں جنگ جاری رکھی تھی۔ گڑھوال کو شکست دینے کے بعد حافظ رحمت خاں صلح کے لیے رضامند ہو گئے تھے صلح نامہ کے مطابق الموڑہ سے علی محمد خان کو تین لاکھ روپیہ سالانہ خراج ملتا تھا۔ ملاحظہ کیجئے۔ مستجاب خاں، گلستان رحمت، مخطوطہ سبحان اللہ کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، ورق ۲۱ الف و ب

[۱] قصۂ واحوال روہیلہ، ص ص ۔ ۳۵ تا ۳۹۔ [۲] قصہ واحوال روہیلہ، ص ص ۴۲۔ ۴۴

کے لیے کوچ کیا۔[1]

علی محمد خان دہلی میں ایک سال تک وزیر قمر الدین کے مہمان رہے۔ وہ بادشاہ کے سلوک سے ناخوش تھے۔ لیکن جب ضلع[2] سرہند میں جاٹوں نے لوٹ مار شروع کر دی تو وزیر قمر الدین خاں کے مشورہ پر بادشاہ نے سرہند کی فوجداری علی محمد خان کے سپرد کی۔ اس موقع پر اس کو خلعت اور نواب علی محمد خان بہادر کے خطاب سے بھی نوازا۔ علی محمد خاں نے دس ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ سرہند کا بندوبست اپنے ذمہ لیا۔ جاٹوں کا سرغنہ پٹیالہ کا زمین دار الہا سنگھ تھا۔ علی محمد خان نے پٹیالہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ الہا سنگھ کو شکست ہوئی اور وہ پٹیالہ سے بھاگ نکلا۔ اُس کے بہت سے ساتھی مارے گئے عورتیں بچے قید ہوئے۔ اس فتح کے بعد سرہند کے ضلع میں امن وامان قائم ہو گیا۔[3]

محمد شاہ کے تیسویں سنہ جلوس (۱۱۶۰ھ) میں احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی خبر نے دہلی میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔ مغل بادشاہ بیمار تھا۔ وزیر قمر الدین خان اور دوسرے امرا ولی عہد تخت شہزادہ احمد خان کو ساتھ لے کر حملہ آور کے مقابلہ کے لیے نکلے مغل فوج کے سرہند پہنچنے سے پہلے ہی علی محمد خان بغیر شاہی اجازت کے سرہند کو خالی چھوڑ کر کٹھیر چلے آئے تھے۔ رستم علی خان نے علی محمد خان کے کٹھیر آنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ شہزادہ کی بہادری کی تعریف، وزیر قمر الدین کی لڑائی میں موت، احمد شاہ ابدالی کی شکست اور افغانستان کو واپسی احمد شاہ کی تخت نشینی اور صفدر جنگ کی عہدہ وزارت پر سرفرازی سے متعلق تفاصیل درج کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد کٹھیر میں علی محمد خاں کے کارنامے بڑی

---

[1] قصہ واحوال روہیلہ ص ۴۶-۵۳

[2] اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں ضلع کی اصطلاح کا استعمال شروع ہوا۔ اس وقت بڑی بڑی سرکاری کئی ضلعوں میں تقسیم ہو گئی تھیں۔ قائم چاندپوری نے بھی اپنے تذکرہ میں ضلع کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے راقم الحروف کا انگریزی مقالہ:

Literary works of Qaim Chaundpuri: A source for Socio-Economic History of Rohil Khand during the later half of the Eighteenth Century, Journal of the Panjab University Historical Society, Lahore, January, 1985, Vol. XXIII, No. 2, PP. (1–14) 5.

[3] قصہ واحوال روہیلہ ص ص ۵۵-۵۶۔

سے بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ علی محمد خاں نے اپنے اہل وعیاں کو کاشی پور میں چھوڑا اور وہاں سے چتر بھوج کھتری ناظم مراد آباد سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ چتر بھوج کھتری جنگ میں ہار کر بھاگا اور شاہجہان آباد پہنچا۔ روہیلوں کا تمام کٹیہر پر دوبارہ قبضہ ہوگیا۔[1]

تمام علاقہ کا معقول بندوبست کیا اور اپنے ساتھیوں میں جاگیریں تقسیم کیں۔ یہاں پر جاگیر اصطلاح کی بجائے جائداد کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر روہیلہ سردار کو جو علاقہ بھی دیا گیا تھا وہ ہمیشہ کے لیے اس کو دیدیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر لکھا ہے کہ حافظ رحمت خان کو چودہ لاکھ روپیہ جمع کی جائداد میں پیلی بھیت، بریلی اور بداون کے محلات دیے گئے۔ دوندے خان کو بارہ لاکھ روپیہ جمع کی جائداد میں سنبھل، مرادآباد، ڈنروںی اور کاشی پور وغیرہ محلات دیے گئے۔ سردار خان بخشی کو نولاکھ کی جائداد میں اسدپور، بھیجوئی، علی گنج وغیرہ ملے۔ فتح خان خانساماں کو سات لاکھ کی جائداد میں بداون، منونہ وغیرہ محلات دیئے۔ محمد خان پسر داؤد خان کو پروںی اور کئی دوسرے گاؤں دیئے۔ اس کے علاوہ جو روہیلہ رسالہ دار تھے ان کو گاؤں دیئے۔ رام پور، شاہ آباد اور اجھیانی وغیرہ محلات کو تحصیل خاص کے لیے مخصوص کیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بندوبست اور علاقہ کی ترقی کے لیے منصوبوں پر عمل پیرا ہوئے۔ لیکن جلد ہی علالت میں مبتلا ہوئے اور تھوڑے عرصہ کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کی موت کی تاریخ (۱۷۴۸ء) کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن ان کے بیٹوں کے متعلق لکھا ہے کہ پانچ بیٹوں میں دو عبداللہ خاں اور فیض اللہ خان احمد شاہ ابدالی کے پاس قندھار میں تھے اور تین بیٹے سعداللہ خان، اللہ یار خان اور محمد یار خاں باپ کے ساتھ رہتے تھے۔ روہیلہ سرداروں نے آنولہ میں جمع ہو کر جرگہ کیا اور متفقہ طور پر سعداللہ خان کو اس کے باپ کا قائم مقام تسلیم کرلیا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں بھائی عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں قندھار سے واپس آگئے اور انھوں نے سعداللہ خان کو اپنے باپ کا قائم مقام ماننے سے انکار کردیا اور جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ بعد میں حافظ رحمت کی مداخلت پر بھائیوں میں صلح ہوگئی۔ رام پور اور

---

[1] قصہ واحوال روہیلہ

شاہ آباد فیض اللہ خان کو دے دیے گئے اور اوجھانی اور کچھ گاؤں عبداللہ خاں کو ملے[1]

علی محمد خان کے بیٹوں میں صلح کی تفصیل کے بعد رستم علی نے سنہ ۱۷۴۸ء کے بعد بادشاہ احمد شاہ کے عہد میں دہلی کے سیاسی حالات، خاص طور پر صفدر جنگ کی وزارت اور اس کی مطلق العنانی، فرخ آباد کے نواب قائم خان بنگش کے صفدر جنگ سے تعلقات، احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملے اور کٹھیر میں روہیلوں کے سیاسی رویہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چونکہ رستم علی ایک انگریز فوجی افسر کی ملازمت میں اپنی تاریخ مرتب کر رہے تھے وہ صفدر جنگ پر کھلے الفاظ میں تنقید کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے کیونکہ انگریزوں اور اودھ کے نوابین میں دوستی تھی لہٰذا انھوں نے تنقید اشاروں اور کنایوں میں کی ہے۔ یہ تنقید اہم ہے۔ اس سے روہیلہ سرداروں کی عوام سے ہمدردی اور صفدر جنگ اور اس کے جانشینوں کی اودھ کے باہر شہر اور قصبات کی تباہی پر روشنی پڑتی ہے۔

مرکز یعنی شاہجہاں آباد کی کمزوری دیکھتے ہوئے کٹھیر میں روہیلہ سرداروں نے بادشاہ کے امرا کی جاگیروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ انھوں نے مراد آباد کے ان محلات کی آمدنی جو علی محمد خان کے محسن اور معاون وزیر قمر الدین خان کی جاگیر میں تھے اور جن کی آمدنی کا روپیہ علی محمد خاں وزیر کے پاس بھیجتا تھا وہ بھی وزیر کے بیٹے انتظام الدولہ کو بھیجنا بند کر دیا تھا۔ اسی طرح شیرکوٹ، چاندپور، نہٹور وغیرہ محلات جو کہ نئے وزیر صفدر جنگ کی جاگیر میں تھے اُن پر بھی روہیلہ قابض ہو گئے تھے۔ اس لیے دربار کے ایرانی اور تورانی امرا بغیر کسی تفریق کے روہیلوں کی سرکوبی کو ضروری سمجھنے لگے انھوں نے بادشاہ احمد شاہ کو روہیلوں کے خلاف اقدام کے لیے اُکسایا۔ انتظام الدولہ نے مراد آباد کی نظامت کے لیے نواب قطب الدین خاں جو کہ نواب عظمت اللہ کے پوتے اور نواب معین الدین کے بیٹے تھے کا نام تجویز کیا۔ بادشاہ نے قطب الدین خاں کو شاہی فوج کے ہمراہ مراد آباد جانے کا حکم دیا۔ آخر الذکر شاہی توپ خانہ اور بیس ہزار کی فوج کے ساتھ مراد آباد کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں بڑے بڑے ہندو زمین دار

---

[1] قصہ واحوال روہیلہ۔ ص ص ۷۴ - ۷۵

۴۱۷

جو کہ روہیلوں کے خلاف تھے شاہی لشکر میں آ کر مل گئے۔ شاہی لشکر نے میرٹھ سے چل کر بالاوالی میں کیمپ کیا۔ قطب الدین نے بالاوالی سے دوندے خان کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے عاملوں کو مراد آباد کے محلات سے بلا کر صلح کر لے ورنہ اس کو سزا دی جائیگی۔ لیکن دوندے خان نے اس کو بتایا کہ اس کے باپ اور دادا عظمت اللہ خاں کے روہیلوں پر احسانات کی وجہ سے وہ اس سے جنگ نہیں کرنا چاہتے اور اس کی شاہجہاں آباد واپسی کو اس کے حق میں سمجھتے ہیں کیونکہ روہیلوں سے جنگ کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ دوسرا خط اس کی والدہ کو جو مراد آباد میں رہتی تھیں لکھا: "پاس حقوق نواب عظمت اللہ خاں مرحوم لکھا جاتا ہے تم قطب الدین خان بہادر کو اپنی طرف سے سمجھا دو اور لکھ بھیجو کہ لڑائی روہیلوں کی سی خوب واقف ہوتا حال کوئی فتح یاب نہیں ہوا تم بھی اس خیال سے باز آجاؤ" لیکن والدہ قطب الدین نے جواب دیا کہ اس کا بیٹا اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ وہ ہر قیمت پر بادشاہ کے فرمان کے مطابق عمل کرے گا۔ لیکن جب جنگ ہوئی تو روہیلوں نے اپنی کم تعداد کے باوجود تیس چالیس ہزار کی فوج کو ہرا دیا۔ قطب الدین خان بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔[۵۱]

رستم علی نے مغل سپاہیوں کی جنگ کے بدلتے ہوئے طریقوں سے ناواقفیت پر سخت تنقید کی ہے کہ آرام اور سہولت پسندی نے شاہی مغل فوج کے سپاہیوں کو بزدل اور ناکارہ بنا دیا تھا۔ اُس کا بیان ہے: "فوج تعناتی بادشاہی شاہجہان آباد کی رہنی والی، کہ گلی کوچوں میں سج بنا کر اکڑتی چلتی تھی اور مونچھوں پر تاؤ دیتی تھی، گرم سرد زمانی کا نہ دیکھا تھا۔ کبھی اتفاق میدان کا نہوا تھا۔ اوس میدان خون ریز میں کہ زخم نیزہ (و) تیر کی سی فوارہ خون کے جاری تھے.... بی اختیار بیحواس ہو بھاگے"[۵۲] اس کے بعد روہیلہ سرداروں کی مروت اور وضع داری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فتح کے بعد دوندے خاں اور نجیب خان مراد آباد آئے اور وہاں قطب الدین خاں کی والدہ اور دوسرے پسماندگان سے تعزیت کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا جو گاؤں اُن کی زمین داری میں تھے اُن نہیں چھوا۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے گاؤں اپنی طرف

---

۵۱ قصہ واحوال روہیلہ، ص ص ۹۸-۹۹

۵۲ ایضاً، ص ص ۹۰-۹۱

سے اُن کو دیدیئے۔[1]

نواب قطب الدین خان کی شکست کی خبر سن کر بادشاہ نے نواب قائم خاں بنگش کے نام فرمان جاری کیا کہ وہ کٹیہر پر قبضہ کر لے۔ نواب بنگش ایک لاکھ سوار اور پیادوں کی فوج اور توپ خانہ سے کٹیہر کے لیے روانہ ہوا۔ روہیلہ سردار بھی حافظ رحمت خان کی قیادت میں بداوں آکر خیمہ زن ہوئے۔ وہاں سے حافظ رحمت خان نے نواب قائم خان بنگش کو صلح کے لیے پیغام بھیجا: تم ہماری ساری پٹھانوں کے سردار ہو خاوند، ہم سب نوکر ہیں، تابع حکم کے ہیں، ملک سے کچھ کام نہیں، جان بخشی ہماری ہو، کچھ بموجب خرچ کے جائداد مقرر ہو، قائم خان کا جواب تھا کہ وہ اُن کو صرف زندہ شاہجہان آباد پہنچا سکتا ہے۔ بہر حال اس طرح جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔

کٹیہر کے روہیلوں نے اپنی فوج کو دو حصّوں میں بانٹ دیا۔ حافظ رحمت خاں ایک حصہ کے ساتھ مخالف فوج کے سامنے آگئے۔ دوسرے حصہ کو دوندے خاں، ستار خاں اور سعد اللہ خاں توپ خانہ کو لے کر ایک باجرے کے کھیت میں چھپ گئے۔ اگلے دن جب نواب قائم خان ہاتھی اور تین ہزار سواروں کے ساتھ شکار کے لیے نکلا تو اس نے حافظ رحمت خان کو سامنے دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا۔ بانوں[2] اور بندوقوں کا استعمال شروع ہوا۔ کچھ دیر مقابلہ کرنے کے بعد اپنے منصوبہ کے مطابق حافظ رحمت خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ باجرے کے کھیت کی جانب بھاگا۔ قائم خان نے تعاقب کیا۔ اس وقت دوندے خان نے اپنے بان اندازوں کو حکم دیا کہ جب تک اس کا حکم نہ ہو کوئی عمل نہ کرے۔ بان یا گولہ نہ چھوڑے۔ جوں ہی قائم خاں بنگش باجرے کے کھیت میں چھپائے ہوئے توپ خانہ کی زد میں آیا تو دوندے خان کے حکم پر اس کے سپاہیوں نے بانوں اور گولوں کی بارش شروع کر دی۔ ایک گولہ قائم خاں کے لگا جس سے وہ مارا گیا۔ اس کے گرنے سے اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ اس فتح کے نتیجہ میں فرخ آباد کی سرحد تک تمام علاقہ

---

[1] قصہ واحوال روہیلہ ص ۹۶

[2] بان بارود سے بھرا ہتھیار ہوتا جس کو تیر آتشین بھی کہا جاتا تھا۔ اس کی موجودہ شکل روکٹ ہے۔ گولے توپ سے چھوڑے جاتے تھے۔

کٹیہر کے روہیلوں کے قبضہ میں آگیا۔ اُدھر قائم خان بنگش کے مارے جانے سے صفدر جنگ کو موقع ملا کہ وہ نواب بنگش کے علاقہ کو جو کہ اس کے صوبہ اودھ سے ملحق تھا اپنے تسلط میں لے آئے۔ اس بادشاہ احمد شاہ کو ورغلایا کہ نواب بنگش کے خزانے اور املاک پر بادشاہ کو قبضہ کر لینا چاہیے۔ نوجوان بادشاہ لالچ کا شکار ہو گیا۔ رستم علی نے صفدر جنگ کی بنگش نواب کی ماں اور اس کے ورثا کے ساتھ زیادتیاں اور فریب دہی، فرخ آباد کے محلات کی لوٹ مار اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے بیان سے عوام کے ساتھ روہیلہ سرداروں کا ہمدردانہ سلوک اور صفدر جنگ کے رویہ میں جو فرق تھا اس کو بڑی اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے۔ صفدر جنگ اور دوسرے مغل امراء نے نواب قائم خاں بنگش کی ماں کو یقین دلایا کہ اُن کا علاقہ اُن کے پاس رہے گا اگر وہ دربار میں حاضر ہو کر دستور کے مطابق نیاز مان اور خلعت حاصل کرلیں گی۔ ان کے قول و قسم پر یقین کرتے ہوئے قایم خاں بنگش کی ماں اور دوسرے ورثاء اشرفیاں، روپیہ اور جواہرات کی کشتیاں لے کر شاہجہاں آباد پہنچے بادشاہ نذر کے طور پر پیش کرنے کے لیے شاہجہان آباد میں ان کو بادشاہ کے حکم سے قید کر کے وزیر کے حوالہ کر دیا گیا[1]

صفدر جنگ نے نواب بنگش کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے نائب راجہ نول رائے کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قنوج میں تعنات کیا۔ کنول رائے کی مدد کے لیے میر محمد صلاح خان سادات بارھہ کو بھی چار ہزار سواروں کی فوج کے ساتھ تعنات کیا۔ صفدر جنگ کے ملازمین نے فرخ آباد کے پٹھانوں پر ظلم شروع کر دیا۔ وہ معاشی طور پر تباہ کر دیئے گئے۔ جب زیادتیاں بڑھیں تو انھوں نے تنگ آکر بغاوت کر دی۔ فرخ آباد کے پٹھانوں کی اپنی آزادی کے لیے جدوجہد اور صفدر جنگ کی ان کے خلاف تین جنگوں میں ناکامی کی تفاصیل بڑی بے تعلقی سے بیان کی ہیں۔ مولف کے مطابق صفدر جنگ اور اس کے فوجی پٹھانوں سے کامیاب طریقہ پر جنگ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں اُس نے جہاں موقع ملا ہے وہاں صفدر جنگ

---

[1] قصہ واحوال روہیلہ۔ ص ص۔ ۱۰۳ تا ۱۰۶

کے ساتھیوں اور روہیلوں کے مذہبی اعتقادات میں جو فرق تھا اس کو بھی ظاہر کیا ہے۔ مثال کے طور پر نول رائے کی لڑائی اور ہار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میدان جنگ میں نول رائے کے ساتھی میر محمد صلاح خاں نے روہیلوں پر "یا علی" کہہ کر حملہ کیا۔ پٹھانوں نے "الا اللہ" کا نعرہ لگاتے ہوئے اس کا مقابلہ کیا۔ جب میر صلاح خان بارھہ مارا گیا تو نول رائے بھاگا لیکن اس کو پکڑ کر اُس کا سر کاٹ لیا گیا[1]

مولف نے صفدر جنگ کی اور بنگش نواب کے پٹھانوں کے درمیان نول رائے کی موت کے بعد جنگ اور اس کی ناکامیوں کے متعلق جو اطلاع بہم پہنچائی ہے وہ بھی تاریخ کے طالب علم کی معلومات میں اچھا اضافہ کرتی ہیں۔ اگرچہ نواب احمد خان بنگش کے بھائی اور پیشرو نواب قایم خاں بنگش کا رویہ کٹیہر کے روہیلہ سرداروں کے ساتھ معاندانہ تھا تاہم وہ پٹھانوں کے عام مفاد کے لیے صفدر جنگ کے خلاف بنگش کے پٹھانوں کی حمایت کے لیے اپنی فوجوں کے ساتھ فرخ آباد کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ صفدر جنگ کو کٹیہر اور فرخ آباد کے پٹھانوں کے اتحاد نے ناکام بنا دیا۔ ایک مرتبہ وہ مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ دوسری مرتبہ اپنی عزت اور وقار کی بحالی کے لیے زبردست تیاری اور مرہٹہ فوج کو ساتھ لے کر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ فوج تھی۔ پٹھانوں نے اس فوج کا بھی کامیابی سے مقابلہ کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مرہٹہ سردار ملہار راؤ اور بادشاہ کے معتمد خواجہ سرا نواب جاوید خان کو تحفے تحائف اور روپیہ دے کر اپنا طرفدار بھی بنا لیا۔ ان دونوں کے دباؤ اور اصرار پر صفدر جنگ کو ناکام شاہجہان آباد لوٹنا پڑا۔ چونکہ پٹھانوں کی طرفداری کی وجہ سے جاوید خاں کو صفدر جنگ اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا اُس نے عید الفطر کے دن جاوید خان کو دھوکہ دے کر قتل کرا دیا۔ جاوید خان کے قتل سے بادشاہ صفدر جنگ سے خائف ہو گیا اور اس سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کرنے لگا۔ اس سلسلے میں اُس نے تورانی امرار کے سرغنہ انتظام الدولہ اور میر بخشی عیاذ الدین خان جو کہ نظام الملک آصف جاہ کا پوتا تھا استعمال کیا۔ انتظام الدولہ کو وزیر بنایا اور عیاذ الدین کو امیر الامراء

---

[1] قصہ و احوال روہیلہ ص ص ۔ ۱۱۲ تا ۱۲۱

اور عمادالملک کے خطابات سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد صفدر جنگ اور بادشاہ کے حامیوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ وزیر اور میر بخشی نے قرب و جوار کے امراء کو بادشاہ کی مدد کے لیے بلایا۔ کٹہیر کے سردار غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے لیکن دوندے خاں کا داماد نجیب خاں تین چار ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ عمادالملک سے شاہجہاں آباد آکر ملا۔ اس کی بہادری اور کامیاب دفاع سے خوش ہوکر عمادالملک نے بادشاہ سے اس کو نواب نجیب الدولہ کا خطاب، چار ہزار کا منصب اور صفدر جنگ کی جاگیر جس میں شیرکوٹ، نہٹور، نگینہ، بجنور وغیرہ محلات شامل تھے دلوائے۔ اس طرح نجیب الدولہ کے سیاسی عروج کے لیے میدان ہموار ہوگیا تھا یہی نہیں بلکہ نجیب الدولہ نے مختلف جھڑپوں میں صفدر جنگ کی فوج اور جاٹوں کو بری طرح ہرایا اور وہ بالآخر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ صفدر جنگ دہلی سے اودھ چلا گیا جبکہ سورج مل کو اپنے علاقہ کے مضبوط قلعہ دیگ میں اپنی حفاظت کے لیے جانا پڑا۔

چونکہ شاہجہان آباد کے باہر پرانی دہلی کو صفدر جنگ اور سورج مل جاٹ کی فوج نے قتل اور غارت گری کے ذریعہ تباہ کردیا تھا۔ ان کی واپسی پر عمادالملک نے انتقام لینے کے لیے پہلے دیگ کے قلعہ پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ اُس نے اپنی مدد کے لیے ملہار راؤ کو بلایا اور پھر اس کے ساتھ دیگ کی جانب کوچ کیا۔ نزدیک پہنچ کر دیگ کے قلعہ کی ناکابندی کی اور پھر اس کا محاصرہ شروع کردیا۔ قلعہ کے اندر اور باہر دونوں طرف سے توپوں سے گولہ باری شروع ہوگئی۔ دیگ کے مضبوط قلعہ کو جلدی فتح کرنے کے لیے عمادالملک نے بادشاہ کو لکھا کہ وہ تمام شاہی توپ خانہ بھیج دے۔ لیکن بادشاہ کے نئے وزیر انتظام الدولہ نے سوچا کہ دیگ کی فتح سے عمادالملک میر بخشی کا اثر بہت بڑھ جائے گا اور اُس سے اس کے اپنے وقار کو صدمہ پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اُس نے بادشاہ کو ورغلایا کہ اگر عمادالملک نے سورج مل جاٹ کو ختم کردیا تو وہ صفدر جنگ کی جگہ لے لے گا اور یہ بھی مشورہ دیا کہ بادشاہ اور وزیر دونوں کو فوج لے کر دیگ کی طرف جانا چاہیے اور سورج مل جاٹ کو دربار میں حاضر ہونے پر معاف کردینا چاہیے تاکہ وہ آئندہ بادشاہ کا وفادار رہے۔ بادشاہ نے وزیر کے مشورہ پر جمنا کو پار کیا اور سکندرہ میں قیام کیا۔ وہاں سے سورج مل کو دستخط خاص سے شقہ روانہ کیا جس میں اس کو یقین

دلایا گیا تھا کہ اگر وہ دیگ سے دربار شاہی میں حاضری کے لیے باہر آئے گا تو اس کے راستہ میں کوئی مزاحم نہیں ہوگا۔ اگر عماد الملک سدراہ ہوگا تو اس کو سزا دی جائے گی عماد الملک کو جب بادشاہ کے خط کا علم ہوا تو اس نے ملہار راؤ کو خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ بادشاہ اس کے خلاف ہو گیا ہے لہٰذا وہ اس پر اچانک حملہ کر دے۔ جب ملہار راؤ نے شاہی کیمپ پر حملہ کیا تو شاہی فوج کو شکست ہوئی بادشاہ اور وزیر ہاتھی پر سوار ہو کر بھاگ گئے۔

عماد الملک بھی محاصرہ اٹھا کر شاہجہان آباد لوٹا۔ کیونکہ اس کے یہاں بادشاہ اور وزیر کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اس نے دہلی آکر دونوں کو قتل کرا دیا۔ احمد شاہ کی جگہ تخت پر شہزادہ عزیز الدین کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ عالمگیر ثانی کے عہد اور اس کے قتل کے واقعات کو بھی اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے پھر احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی (تیسری) لڑائی کو بیان کیا ہے۔ نجیب الدولہ کی کارکردگی سے متعلق دلچسپ مواد فراہم کیا ہے۔ عالمگیر ثانی کے بیٹے شاہ عالم ثانی کی ۱۷۷۲ء میں الہ آباد سے دہلی واپسی اور پھر شجاع الدولہ اور کٹیھر کے روہیلوں کی درمیان ۱۷۷۴ء کی جنگ کے احوال کے ساتھ تالیف کو مکمل کر دیا ہے۔ اس حصہ میں رستم علی نے روہیلہ سرداروں کے بیٹوں کے رول پر مختصر سی تنقید کی ہے۔ اس کے نزدیک وہ بھی دوسرے ہندوستانی امراء کی طرح خود غرضی کے شکار ہو گئے تھے۔ مثال کے طور پر وہ لکھتا ہے کہ دوندے خان اور دوسرے سرداروں کے انتقال کے بعد جب شجاع الدولہ نے حافظ رحمت کی طاقت کو انگریز فوج کی مدد سے ختم کرنے کا فیصلہ کیا تو اس وقت (یعنی ۱۷۷۴ء میں) پٹھان سرداروں نے حافظ رحمت خاں کو دھوکہ دیا۔" نواب فیض اللہ خاں، نواب احمد خاں خلف بخشی سردار خاں کا اپنی اپنی جمعیت سی علیحدہ علیحدہ جا پڑی، سوائے حافظ رحمت خان کی سب روہیلہ نواب وزیر سی پوشیدہ خط خطوط سی مل رہے تھے۔"[۱]

آخر میں یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ قصہ واحوال روہیلہ اردو میں تاریخ نگاری کی تاریخ میں پہلی لکھی جانے والی کتاب ہی نہیں ہے بلکہ خطۂ کٹیھر یا روہیلکھنڈ پر بھی

---

[۱] قصہ واحوال روہیلہ۔ ص ۲۳۵

علم تاریخ کا پہلا اہم شاہ کار ہے۔ فارسی میں اس کے بعد روہیلہ سرداروں کے کارناموں یا نوابین اودھ کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں مبالغہ آرائی اور جانبداری کے ساتھ واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر غلام علی نقوی نے ۱۸۶۹ء میں عماد السعادت کو مرتب کیا تو اس میں روہیلہ سرداروں کے خدوخال مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح مستجاب خاں کی گلستان رحمت ۷۳-۱۷۷۲ء میں مکمل ہوئی تو اس میں حافظ رحمت خان کے کارناموں کو اس طرح پیش کیا گیا کہ ان کے دوسرے ساتھی روہیلہ سرداروں کے رول پر پوری روشنی نہ پڑ سکی۔ اگرچہ قصہ واحوال روہیلہ میں روہیلہ حکمرانوں کی علم و فضل کی ترقی میں دلچسپی اور علماء و فضلاء کی سرپرستی پر نہیں لکھا گیا۔ تاہم روہیلہ سرداروں کی انسانی ہمدردی، رعایا پروری اور ان کے اپنے فرائض کی ادائیگی کو بڑی بے تعلقی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یقیناً اس مخطوطہ کی دریافت ہمارے لیے ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کے تاریخی لٹریچر میں گرانقدر اضافہ ہے۔

مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک اہم تصنیف

اسلام میں خدمت خلق کا تصور

خدمت خلق کا صحیح تصور۔ غلط تصورات کی تردید۔ خدمت خلق کا اجر و ثواب۔ خدمت کے مستحقین۔ وقتی خدمات۔ رفاہی خدمات۔ خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی جدوجہد۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔ مصنف کے جاندار قلم نے ان تمام گوشوں کو نکھار دیا ہے۔ صفحات: ۱۷۶ قیمت: ۴۰ روپیے

وقت کے اہم موضوع پر اس پہلی مستند کتاب کا انگریزی ترجمہ

THE CONCEPT OF SOCIAL SERVICE IN ISLAM

کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے

صفحات: ۱۶۵ —— قیمت: ۵۰ روپیے

ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ